ہماری ذلّت و نکبت کا اصل سبب

مولانا جلیل احسن ندوی جامعۃ الفلاح، بلریا گنج

عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْشِكُ الْأُمَمُ أَنْ تَدَاعٰى عَلَيْكُمْ كَمَا تَدَاعَى الْأَكَلَةُ إِلٰى قَصْعَتِهَا، فَقَالَ قَائِلٌ وَمِنْ قِلَّةٍ نَحْنُ يَوْمَئِذٍ؟ قَالَ بَلْ أَنْتُمْ يَوْمَئِذٍ كَثِيْرٌ وَلٰكِنَّكُمْ غُثَاءٌ كَغُثَاءِ السَّيْلِ وَلَيَنْزِعَنَّ اللّٰهُ مِنْ صُدُوْرِ عَدُوِّكُمُ الْمَهَابَةَ مِنْكُمْ وَلَيَقْذِفَنَّ فِيْ قُلُوْبِكُمُ الْوَهْنَ، قَالَ قَائِلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا الْوَهْنُ؟ قَالَ حُبُّ الدُّنْيَا وَكَرَاهِيَةُ الْمَوْتِ

(مشکوٰۃ)

حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا، ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم مسلمانوں پر عنقریب وہ زمانہ آنے والا ہے جب تم کو نگل جانے اور فنا کر دینے کے لیے دنیا کی قومیں تم پر اس طرح ٹوٹ پڑیں گی جس طرح کھانے والے دسترخوان پر گرتے ہیں۔ صحابہ میں سے کسی نے پوچھا کیا اس زمانے میں ہم مسلمان کم تعداد میں ہوں گے؟ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ اس زمانے میں تم مسلمان بڑی تعداد میں ہوگے، لیکن تم سیلاب کے جھاگ کی طرح ہو جاؤ گے اور تمہارے دشمنوں کے سینوں میں جو تمہاری دھاک بیٹھی ہے اسے اللہ تعالیٰ کھینچ لے گا اور تمہارے دلوں میں کمزوری اور پست ہمتی پیدا کر دے گا۔ اس پر کسی نے سوال کیا یہ کمزوری اور پست ہمتی کیوں آجائے گی؟ آپ نے فرمایا۔ اس کا سبب یہ ہوگا کہ اس زمانے کے مسلمان حبِ دنیا کے مرض میں مبتلا ہو جائیں گے اور خدا کی راہ میں مرنا ناپسندیدہ بن جائے گا۔

یہ حدیث بہت زیادہ اہمیت کی حامل ہے اور خصوصیت سے اس دور کے مسلمانوں کو ٹھہر کر سوچنے اور غور کرنے کی دعوت دیتی ہے۔ آپ نے یہ حدیث صحابہ کرام کے مجمع میں ارشاد فرمائی اور اس زمانے میں ارشاد فرمائی جب عرب میں کفر و جاہلیت کا چراغ گل ہو چکا ہے اور اسلام کی روشنی پورے طور پر ہر جگہ، ہر گھر اور ہر دل کو منور کیے ہوئے ہے، دین غالب ہو چکا ہے اور اہل دین اپنی قربانیوں سے زیادہ اس دنیا میں صلہ پا چکے ہیں اور جو کچھ انھیں آخرت میں ملنا ہے اس کی خوش خبری سن چکے ہیں اور یہ حدیث آپ نے اس غرض سے بیان فرمائی کہ بعد میں آنے والے مسلمان اس خطرے سے ہوشیار رہ جائیں جن سے وہ دوچار ہو سکتے ہیں

یہاں پر تھوڑی دیر رک کر ذرا اپنے ماضی پر نظر ڈال لیجیے، سوچیے کہ دور اول کے مسلمان اپنی قلت تعداد اور وسائل کے فقدان کے باوجود کیوں خدا کی رحمت اور مدد کے مستحق ہوئے۔ کس وجہ سے اللہ نے انھیں عزت و اقتدار کا وارث بنایا، اور کیوں ایسا ہوا کہ جو لوگ عزت و اقتدار کے مالک تھے اور ہر طرح کے وسائل و ذرائع رکھتے تھے ان لوگوں کے حصے میں کیوں ذلت و نامرادی آئی۔ یہ دنیا اندھیر نگری نہیں ہے، ظاہر ہے کوئی بات ہوگی جس کی وجہ سے دبائے جانے والے پسے جانے والے اقتدار کی مسند پر پہنچے اور اقتدار والے سرنگوں اور سر بہ خاک ہوئے۔

اس کی وجہ خود اوپر کی حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرما دی ہے جس کی مختصر تفصیل یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو پیغمبر بنایا اور دعوت الی اللہ کی ذمہ داری آپ پر ڈالی اور آپ نے اپنا کام پیغمبرانہ جوش و انہماک کے ساتھ شروع کیا تو آہستہ آہستہ لوگ آپ پر ایمان لانے لگے اور جو لوگ ایمان لاتے وہ اس بات پر ایمان لاتے کہ اب خالق کائنات کے سوا کسی اور کی بندگی اور غلامی نہیں کرنی ہے اور اس بات کا عہد کرتے کہ خدا کی بندگی اور غلامی کی راہ میں صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قائد و رہنما بنانا ہے۔ اسی عہد کا وہ اقرار و اعلان ان الفاظ میں کرتے۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہ (میں شہادت[1] دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے اور میں شہادت دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں) اور تیسری چیز جس پر وہ ایمان لاتے وہ آخرت ہے۔ یعنی وہ اس حقیقت کو اپنے دماغ و دل میں اتارتے کہ یہ دنیا کمائی کرنے کی جگہ ہے اور اصل وطن آخرت ہے۔ یہ دنیا گھر نہیں ہے اصلی گھر یہاں سے دور اور آنکھوں سے اوجھل ہے۔ یہاں آدمی جیسی کچھ کمائی کرے گا وہی عالم آخرت میں پائے گا ــــــ یہ تین

[1] شہادت کے لفظ میں اعلان اور عہد و قسم کا مفہوم شامل ہے اور "الٰہ" وہ جو مرکز محبت ہو جس کی غلامی کی جائے اور جسے اپنا سہارا اور ملجا و ماویٰ بنایا جائے۔

بنیادی باتیں تھیں جن پر وہ ایمان لائے تھے۔ تاریخ گواہ ہے جس دن سے وہ ایمان لائے اس کے تقاضے پورے کرتے رہے۔ انھوں نے کبھی عہد کو نہیں توڑا، کبھی غداری اور خیانت نہیں کی۔ مکہ کی تیرہ سالہ زندگی میں ظلم و ستم کی بارش ہوتی رہی، مصائب کے طوفان آتے رہے لیکن اپنے عقیدے پر آنچ نہیں آنے دی اور جن اصولوں پر اپنی زندگی کی عمارت اٹھائی تھی انھیں متزلزل نہیں ہونے دیا۔ یہاں تک کہ آخر میں ان کے سامنے یہ فیصلہ کن موڑ آیا کہ یا تو ہجرت یا اسلام، یا تو یہ علاقہ چھوڑو اپنا وطن چھوڑو، اپنا زندگی بھر کا اثاثہ چھوڑو یا پھر اپنے ایمان و اسلام سے دست کش ہو لیکن انھوں نے کہا: ہم سب کچھ قربان کر سکتے ہیں۔ ایمان و اسلام کی قربانی نہیں دے سکتے۔ پھر تاریخ ان کے سامنے ایک دوسرا موڑ لے آئی کہ ہم تم کو اور تمہارے دین کو تلوار کے زور سے فنا کر دیں گے۔ انھوں نے کہا ہمارے جیتے جی ایسا ہوگا؟ نہیں، یا تو ہم جانیں دے دیں گے، یا تمہاری جانیں لے لیں گے۔ جب تک ہمارے جسموں میں جان باقی ہے اس وقت تک اسلام کے حلقوم تک تمہاری تلواروں کو ہم نہیں پہنچنے دیں گے ــــــ یہ جانی و مالی قربانیوں کا دور نو دس سال تک ممتد رہا لیکن انھوں نے کسی قربانی سے نہ جی چرایا، نہ منہ چھپایا۔ جب وہ عہد بندگی کے ہر امتحان میں کامیاب ہوئے تب اللہ کی مدد آخری طور پر آئی اور کفر و جاہلیت کا زور ٹوٹ گیا "ان کے لیے رب کائنات کی عدالت سے حیات (زندگی) کا، اور ان کے لیے موت کا فیصلہ ہوا۔

یہاں پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کیا چیز تھی جس کی وجہ سے اتنے شدید زلزلوں میں بھی وہ اپنی جگہ سے نہیں ہلے؟ کس نے انھیں ٹھوس فولاد اور نہ ہلنے والا پہاڑ بنائے رکھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ حب آخرت سے سرشار تھے۔ یہ حقیقت ان کے دل میں اتر گئی تھی کہ یہ دنیا "پردیس" ہے، ہمارا دیس تو کہیں اور ہے، ہم یہاں کمائی کرنے کے لیے آئے ہیں۔ اور جب تک وہ اس "پردیس" میں رہے، "دیس" بھولا نہیں، برابر اس کی یاد آتی رہی، حب وطن کی آگ برابر ان کے سینے میں دہکتی رہی۔ وہ جانتے تھے کہ یہ زندگی چند روزہ ہے، اس کے بعد اصلی وطن کو لوٹنا ہے۔ مالک کے حضور جانا ہے، اسے منہ دکھانا ہے اور کمائی اس کے سامنے رکھنی ہے۔ اگر نہ کمائیں گے یا کمائیں گے تو، پر کنکر پتھر اور سانپ بچھو اپنی جھولی میں بھر کرلے جائیں گے تو مالک کو کیسے منہ دکھائیں گے اور کیا جواب دیں گے! یہ ہے جس کی فکر انھیں زندگی بھر رہی، اس لیے انھوں نے ہر مصیبت کا خندہ پیشانی کے ساتھ سامنا کیا، ہر تکلیف کو جھیل لے گئے اور ان کے ایمان و اسلام نے ان سے جس قربانی کا مطالبہ کیا اسے بہ تمام و کمال پورا کیا۔ یہاں تک کہ جان جیسی

پیاری اور قیمتی چیز کی قربانی ان کی سب سے بڑی آرزو بن گئی۔ اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ (ہم نے ان کو نکھارا ایک خلوص والی چیز کے ذریعہ یعنی گھر (آخرت) کی یاد کے ذریعہ) اور فرمایا:- اَلَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ (یہ وہ لوگ ہیں جو اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ انھیں اپنے رب سے ملنا ہے اور اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے) غرض جب انھوں نے اپنا سب کچھ اللہ کے لیے کھو دیا تب اللہ نے انھیں اس سے زیادہ اس دنیا میں دیا جتنا انھوں نے کھویا تھا زمین کی وراثت انھیں بخشی گئی اور وہ عروج انھیں نصیب ہوا جس کا وہ تصور تک نہیں کرتے تھے۔

اوپر کی تفصیل سے یہ حقیقت واضح طور پر سامنے آئی کہ دورِ اول کے مسلمانوں کے عروج و اقبال کا راز کیا ہے، اور اس سوال کا جواب بھی ملا کہ موجودہ دَور کے مسلمانوں کے حصے میں پستی و نکبت کیوں آئی ہے؟ اُن کے پیشوا ــــ عہدِ نبوت اور عہدِ خلافت کے مسلمان ــــ آخرت کی محبت سے سرشار تھے اور ہم لوگ عشقِ دنیا کے مارے ہوئے لوگ ہیں، وہ خدا کی راہ میں جان تک کی قربانی پیش کرنے کی بے تاب تمنا رکھتے تھے، اور ہمارے نزدیک خدا کے لیے، خدا کے دین کے لیے قربانی پیش کرنا مکروہ، ناپسندیدہ اور ناگوار خاطر، پھر خدا اپنی رحمت و نصرت سے کیوں نوازے، اور برکتوں کے دروازے کیوں کھولے؟ اس کی تائید و نصرت ہمیں اسی وقت مل سکتی ہے جب ہم عشقِ ایمانی اور حبِ آخرت سے سرشار اس کے دین کی سربلندی کے لیے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ یہاں یک طرفہ معاہدہ نہیں ہے جب تم اللہ کے مددگار بن کر اٹھو گے تب اللہ کی مدد تم کو ملے گی اور پھر تمہارے قدم اکھاڑے نہ جا سکیں گے۔

(۲)

جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ الرَّجُلُ يَأْتِيْنِيْ فَيَأْخُذُ مَالِيْ قَالَ ذَكِّرْهُ بِاللّٰهِ قَالَ فَاِنْ لَّمْ يَذَّكَّرْ؟ قَالَ فَاسْتَعِنْ عَلَيْهِ بِمَنْ حَوْلَكَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ، قَالَ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ حَوْلِيْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ؟

مخارق سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اس نے آپ سے پوچھا کوئی آدمی میرے پاس آتا ہے میرا مال لوٹنے کے لیے تو مجھے ایسے موقع پر کیا کرنا چاہیے؟ آپ نے فرمایا، اس کو اللہ کی یاد دلاؤ، نصیحت کرو، اس نے کہا اگر اس پر نصیحت کا کوئی اثر نہ ہو تب؟ آپ نے فرمایا تو اپنے آس پاس کے

قَالَ فَاسْتَعِنْ عَلَيْهِ بِالسُّلْطَانِ
قَالَ فَإِنْ نَأَى السُّلْطَانُ
عَنِّيْ؟ قَالَ قَاتِلْ دُوْنَ
مَالِكَ حَتّٰى تَكُوْنَ
مِنْ شُهَدَاءِ الْاٰخِرَةِ
اَوْتَمْنَعَ مَالَكَ
(مخارق — نسائی جمع الفوائد جلد اول ۲۲۴)

مسلمانوں کی مدد حاصل کرو۔ اس نے کہا اگر میرے قریب جوار میں کوئی مسلمان نہ ہو تب؟ آپ نے فرمایا وقت کے اقتدار کی مدد حاصل کرو۔ اس نے کہا اگر وقت کا حکومت مجھ سے دور ہو تب؟ آپ نے فرمایا اپنے مال کی حفاظت میں تو حملہ آور سے لڑ۔ یہاں تک لڑ کہ یا تو تیرا نام آخرت کے شہیدوں میں لکھا جائے یا پھر تو اپنے مال کو بچانے جانے میں کامیاب ہو جائے۔

یہ حدیث اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہے۔ اگر کوئی مفسد شخص یا فسادیوں کا کوئی گروہ مومن کا مال لوٹنے اور تباہ کرنے کے لیے آتا ہے تو اس کی ایمانی حالت کا تقاضا یہ ہے کہ گھر بار چھوڑ کر نہ بھاگے، اپنی جائداد کو فسادیوں کے لیے حلوائے بے دود اور لقمۂ تر نہ بننے دے بلکہ موقع ہو تو وعظ و نصیحت کرے تاکہ خدا کا ڈر ان کے اندر پیدا ہو اور انسانیت کے جذبات ابھریں اور اس کام کو پاپ سمجھ کر باز آجائیں، لیکن اگر وعظ کا موقع نہ ہو تو پاس پڑوس کے مسلمانوں کو اپنے مظلوم مصیبت زدہ بھائی کی مدد کے لیے دوڑ پڑنا چاہیے۔ اسی طرح اس علاقے میں قانون کی حکومت قائم ہو اور وہاں سے خستگی کی داد پانے کی توقع ہو تو اس کی مدد حاصل کرنے کی فکر کی جائے اور اگر کہیں سے کوئی مدد نہ ملنے والی ہو، تب بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ مشورہ نہیں دیتے کہ وہاں سے بھاگ کھڑے ہو، بلکہ یہ ہدایت دیتے ہیں کہ تو غاصب اور مفسد کا مقابلہ کر۔ یہاں تک کہ تو اپنے مال کو بچانے جانے میں کامیاب ہو جائے یا پھر تیری جان چلی جائے۔ اگر تیری جان چلی گئی تو یہ گھاٹے کا سودا نہیں، بلکہ نفع ہی نفع ہے تیرا نام شہیدوں کی فہرست میں لکھا جائے گا اور آخرت میں تیرا قیام اُس قیام گاہ میں ہوگا جو شہداء کے لیے تیار کی گئی ہے۔

مومن کی سب سے بڑی آرزو، مومن کی سب سے بڑی خوش قسمتی!!

---

۱۷ بنگلور میں زندگی ملنے کا پتہ:-
بنگلور بک ہاؤس۔ ۱۷ اخلاصی پالم مین روڈ بنگلور ۲

المنکر فالذی ھجر الامر بالمعروف والنھی عن المنکر خارج عن ھؤلاء المومنین المنعوتین فی ھذہ الآیۃ[۱]

منع کرتے ہیں۔ پس جو شخص امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو ترک کر دے وہ ان مومنین سے خارج ہے جن کا اس آیت میں بیان ہوا ہے۔

علامہ عبدالقادر عودہ شہید فرماتے ہیں:۔

ان جمھرۃ الفقھاء توجب الامر بالمعروف والنھی عن المنکر علی کافۃ افراد الامۃ لا علی فئۃ معینۃ منھا[۲]

بیشتر فقہاء امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو امت کے کسی مخصوص گروہ پر نہیں بلکہ اس کے سب ہی افراد پر واجب قرار دیتے ہیں۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ یہ کام کسی خاص وقت، کسی خاص ماحول اور کسی خاص دور میں انجام دینے کا نہیں ہے بلکہ اس کی نوعیت ایسی ہے کہ کسی بھی وقت اس سے غفلت نہیں برتی جا سکتی۔ امام غزالی فرماتے ہیں:۔

عموم الامر بالمعروف والنھی عن المنکر تقتضی لوجوبہ بکل حال[۳]

امر بالمعروف ونہی عن المنکر (سے متعلق آیات و احادیث) کا عموم ہر حال میں اس کے واجب ہونے کا تقاضا کرتا ہے۔

لیکن اس کے ساتھ فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ جو شخص امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا کام انجام دے اس کے اندر چند شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔ ان شرائط میں سے بعض پر فقہاء کا اتفاق ہے اور بعض کے بارے میں اختلاف ہے۔ امام غزالیؒ نے اس طرح کی کل پانچ شرطیں بیان کی ہیں "تکلیف (آدمی کا شرعی طور پر مکلف ہونا) ایمان، عدالت (نیکی اور تقویٰ) حاکم وقت کی اجازت اور قدرت"[۴] ہم یہاں ان تمام شرائط پر کسی قدر تفصیل سے بحث کریں گے۔ اس سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ کسی شخص پر امر بالمعروف ونہی عن المنکر کن حالات میں واجب ہوتا ہے اور کن حالات میں یہ وجوب اس سے ساقط ہو جاتا ہے اور پھر ان مختلف حالات میں اس کام کے انجام دینے کی صحیح نوعیت کیا ہوگی۔

---

۱ احیاء علوم الدین مطبوعہ دار الکتب العربیہ مصر ۱۳۳۴ھ ج ۲ ص ۲۷۱ ۔ ۲ التشریع الجنائی الاسلامی مقارنا بالقانون الوضعی الجزء الاول ص ۴۹۵ ۔ ۳ احیاء علوم الدین ج ۲ ص ۲۸۱ ۔ ۴ احیاء علوم الدین ج ۲ ص ۲۷۳ تا ص ۲۸۴ ۔ ۵ یہ شرائط امام غزالی نے احتساب کی بیان کی ہیں لیکن چونکہ احتساب امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہی کا ایک نمایاں پہلو ہے اس لیے بعض دوسرے اصحاب علم نے ان پر اسی پہلو سے بحث کی ہے کہ وہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے سلسلہ کی شرائط ہیں۔ دیکھیے التشریع الجنائی ص ۴۹۵ تا ص ۵۰۰

پہلی شرط۔ جو شخص امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا کام کرے، اس کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ وہ شرعاً مکلف ہو، کیونکہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر واجب ہے اور کسی غیر مکلف پر کوئی حکم واجب نہیں ہوتا اور وہ تمام شرعی فرائض سے مستثنیٰ ہوتا ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اگر کوئی نابالغ لڑکا معروف کا حکم دیتا اور منکر سے روکتا ہے تو یہ اس کے لیے ناجائز ہے بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ اگر وہ اس کام کو چھوڑ دے تو گناہ گار نہ ہوگا۔ ہاں اگر وہ اسے انجام دے تو لازماً ثواب کا مستحق ہوگا۔ امام غزالیؒ اس شرط کے بارے میں فرماتے ہیں:۔

انه شرط الوجوب فاما امكان	یہ صرف وجوب کی شرط ہے۔ باقی رہا اس عمل
الفعل وجوازه فلا يستدعي الا العقل	کا امکان اور جواز تو یہ عقل کے سوا کسی اور چیز کا
حتى ان الصبي المراهق للبلوغ المميز	مطالبہ نہیں کرتا۔ یہاں تک کہ ایک بچہ جو بالغ ہونے
وان لم يكن مكلفا فله	کے قریب ہو اور صاحب تمیز ہے، اگرچہ وہ مکلف
انكار المنكر وله ان يريق الخمر	نہیں ہے لیکن اسے اجازت ہے کہ شراب کو بہا دے
ويكسر الملاهي واذا فعل	اور آلات لہو کو توڑ دے[1]۔ اگر وہ اس پر عمل کرے تو
ذالك نال به ثوابا ولم يكن	اس کا ثواب بھی پائے گا کسی کو اسے اس وجہ سے
لاحد منعه من حيث انه	منع کرنے کا حق نہیں ہے کہ وہ مکلف نہیں ہے،
ليس بمكلف فان هذه قربة	کیونکہ یہ خدا سے تقرب کا ذریعہ ہے اور وہ یقیناً
وهو من اهلها[2]	اس کا اہل ہے۔

دوسری شرط۔ اس فرض کے انجام دینے کے لیے دوسری شرط ایمان ہے۔ مومن ہی کا یہ کام ہے کہ معروف کا حکم دے اور منکر سے منع کرے۔ اس شرط کی وجہ امام غزالی یہ بیان فرماتے ہیں۔

هذه نصرة للدين فكيف	یہ دین کی نصرت ہے تو اس کام کا اہل وہ
يكون من اهله من هو جاحد	شخص کیسے ہو سکتا ہے جو اصل دین ہی کا منکر اور
لاصل الدين وعدو له[3]	اس کی نافرمانی کرنے والا ہو۔

علامہ عبدالقادر عودہ شہید اس شرط کی ایک اور وجہ بیان فرماتے ہیں:۔

---

[1] اس مسئلہ پر ہم آئندہ بحث کریں گے کہ اسلامی ریاست میں ایک مسلمان کو خواہ وہ نابالغ ہو یا بالغ بذریعہ قوت منکر کے مٹانے کا حق ہو یا نہیں؟ [2] احیاء علوم الدین ج ۲ صفحہ ۲۷۷ [3] احیاء علوم الدین ج ۲ صفحہ ۲۷۷

"معروف ومنکر میں پوری شریعت شامل ہے اگر کسی غیر مسلم پر امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو واجب قرار دیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ لازماً وہی عقیدہ رکھے جو ایک مسلمان کا عقیدہ ہے اور وہی بات کہے جو ایک مسلمان کہتا یا کہہ سکتا ہے۔ ظاہر ہے یہ اکراہ فی الدین ہے جس کی اسلام میں قطعاً اجازت نہیں ہے۔ حقیقت میں اس شرط کے ذریعہ اسلامی ریاست کے غیر مسلموں کو اس بات کی مکمل آزادی دی گئی ہے کہ وہ جو عقیدہ چاہیں رکھیں اور جس عقیدے کا چاہیں انکار کر دیں۔ ان پر کسی قسم کا جبر نہیں ہے" [1]

تیسری شرط بعض لوگوں نے کہا ہے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا کام کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ خود بھی معروف پر عمل کرے اور منکر سے باز رہے جو شخص نہ تو معروف پر عمل کرے اور نہ منکر سے باز رہے، اس کو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا حق نہیں ہے۔ کیونکہ قرآن وحدیث میں ان لوگوں پر سخت تنقید کی گئی ہے جو دوسروں کو تو نیکیوں کی دعوت دیتے ہیں اور خود ان کا دامن نیکیوں سے خالی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

اَتَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ (البقرہ: ۴۴)	کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو۔
يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ٥ (الصف ۲-۳)	اے وہ لوگو جو ایمان کا دعویٰ کرتے ہو تم ایسی باتیں دوسروں سے کیوں کہتے ہو جن پر خود عمل نہیں کرتے۔ اللہ کو یہ بات سخت ناپسند ہے کہ تم کہو وہ جس پر خود عمل نہ کرو۔

اسی طرح احادیث میں واعظین بے عمل کی سخت مذمت کی گئی ہے۔ یہ تو نقلی دلائل ہیں۔ عقلی طور پر بھی کسی بے عمل کا دوسروں کو عمل کی تبلیغ کرنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اصلاح نفس دوسروں کی اصلاح پر مقدم ہے۔ خود سیدھی راہ پر چلنا اور دین پر ثابت قدم رہنا اصل ہے اور دوسروں کو راہ دکھانا اور دین پر استقامت کی تبلیغ کرنا اس کی فرع ہے۔ ظاہر ہے جب اصل ہی موجود نہ ہو تو فرع کا وجود کیسے ہو سکتا ہے؟ آدمی کا خود صلاح یافتہ ہونا اصل سرمایہ ہے اور دوسروں کی اصلاح کرنا اس کی زکوٰۃ ہے۔ اگر اصل سرمایہ موجود نہ ہو تو زکوٰۃ کس چیز کی ادا ہوگی؟ امام غزالیؒ اس کے جواب میں فرماتے ہیں:۔

کل ما ذکروہ خیالات وانما	جو کچھ ان لوگوں نے کہا وہ سب محض بے بنیاد

---

[1] التشریع الجنائی ص۴۹۴

الحق ان للفاسق ان يحتسب وبرهانه هو ان نقول هل يشترط في الاحتساب ان يكون متعاطيه معصوما عن المعاصي كلها فان شرط ذالك فهو خرق للاجماع ثم حسم لباب الاحتساب اذ لا عصمة للصحابة فضلا عمن دونهم[1]

خیالات ہیں اور صحیح بات یہ ہے کہ فاسق کو احتساب کا حق ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ہم پوچھتے ہیں کہ جو شخص احتساب کا فرض انجام دے کیا تمام گناہوں سے اس کا معصوم ہونا شرط ہے؟ اگر یہ شرط لگائی جائے تو یہ اجماع امت کی مخالفت ہوا اور پھر احتساب کے دروازے کو بند کرنا ہے کیونکہ دوسروں سے قطع نظر صحابہ بھی معصوم نہیں ہیں۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا کام انجام دینے والے کے لیے جو لوگ تقویٰ اور نیکی کو شرط قرار دیتے ہیں ان کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اسے ہر چھوٹے بڑے گناہ سے پاک ہونا چاہیے بلکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ اس کے اندر کم سے کم موٹی موٹی نیکیاں موجود ہوں اور وہ کبائر سے بچ رہا ہے۔ امام غزالی اس پر بھی تنقید کرتے ہیں۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ جب ایک شرابی جہاد میں حصہ لے سکتا ہے اور لے رہا ہے اور ایک زانی قتل سے منع کر سکتا ہے تو یہ شرط فضول ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ گناہ سے خود باز رہنا ایک الگ چیز ہے اور دوسروں کو گناہ سے منع کرنا دوسری چیز۔ ان دونوں کو ایک ساتھ جوڑ دینا صحیح نہیں ہے۔ ایک شخص جو گناہ گار ہے وہ کہہ سکتا ہے۔

يجب علي الانتهاء والنهي فمن اين يلزمني من العصيان باحدهما ان اعصى الله تعالى بالثاني واذا كان النهي واجبا علي فمن اين يسقط وجوبه باقدامي[2]

گناہوں سے خود رکنا اور دوسروں کو روکنا دونوں مجھ پر واجب ہیں۔ ان میں سے ایک کی نافرمانی سے مجھ پر یہ کہاں لازم آتا ہے کہ دوسرے معاملہ میں بھی خدا کی نافرمانی کروں۔ منکر سے منع کرنا جب مجھ پر واجب ہے تو اس کا وجوب منکر کے ارتکاب سے کیسے ساقط ہو جائے گا؟

امام غزالیؒ اس سلسلے میں اصول کلیہ کے طور پر فرماتے ہیں:-

اصلاح الغير لا يراد لاصلاح النفس ولا اصلاح النفس

دوسروں کی اصلاح اپنی اصلاح کے لیے نہیں چاہی جاتی اور نہ اپنی اصلاح دوسروں کی اصلاح

[1] احیاء علوم الدین ج ۲ ص۲۷۵ [2] احیاء علوم الدین ج ۲ ص۲۷۵

لاصلاح الغیر فالقول بترتب احدھما علی الآخر تحکم[۱]

کے لیے، اس لیے یہ کہنا کہ ان میں سے ایک دوسرے پر موقوف ہے محض بے دلیل دعویٰ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر ایک فرض ہے۔ اس کی ادائیگی کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ پہلے دوسرے فرائض ادا کر دیے جائیں تب اسے ادا کیا جائے۔ شریعت کا ہر فرض اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اگر اس کے ادا ہونے کا وقت آگیا ہے تو لازماً اسے ادا کیا جائے۔ خواہ دوسرے فرائض ادا ہو رہے ہوں یا نہ ہو رہے ہوں۔ یہی بات علامہ ابوبکر جصاص نے ان الفاظ میں کہی ہے۔

ان ترك الانسان لبعض الفرض لا یسقط عنہ فرضا غیرہ الا تری ان ترکہ للصلوٰۃ لا یسقط عنہ فرض الصوم و سائر العبادات فکذالك من لم یفعل سائر المعروف ولم ینتہ سائر المناکیر فان فرض الامر بالمعروف والنہی عن المنکر غیر ساقط عنہ[۲]

انسان کا بعض فرائض کو چھوڑ دینا اس کے بعض دوسرے فرائض کو ساقط نہیں کر دیتا۔ دیکھو کہ اگر وہ نماز کو ترک کر دے تو اس کی وجہ سے روزہ اور دوسری عبادات اس سے ساقط نہیں ہو جاتیں۔ اسی طرح جو شخص تمام معروفات پر عمل نہ کرے اور تمام منکرات سے باز نہ رہے تو اس کی وجہ سے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فرض اس سے ساقط نہیں ہو جائے گا۔

بے عمل انسانوں کی دوسروں پر تبلیغ کا مسئلہ ایک اور پہلو سے بھی قابل غور ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ دنیا ان ہی انسانوں کی باتوں کو قبول کرتی ہے جو باعمل ہوتے ہیں اور جن کے کردار سے ان کے خیالات کی تصدیق ہوتی ہے۔ بے عمل انسانوں کی تبلیغ بالعموم رائگاں جاتی ہے اور اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اب فرض کیجیے ایک بے کردار انسان کو کسی وقت اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ اس کا امر بالمعروف و نہی عن المنکر بے فائدہ ہوگا تو سوال یہ ہے کہ کیا اس صورت میں بھی اس کے لیے فرض، فرض ہی رہے گا اور اس کا انجام نہ دینے پر وہ قابل مواخذہ قرار پائے گا یا نہیں؟

امام غزالی فرماتے ہیں:۔

من علم ان قولہ لا یقبل فی الحسبۃ لعلم الناس بفسقہ فلیس علیہ الحسبۃ بالوعظ

جو شخص یہ جانتا ہو کہ اگر وہ احتساب کرے تو اس کے فسق کی وجہ سے اس کی بات نہیں سنی جائے گی تو اس پر وعظ و نصیحت کے ذریعہ احتساب ضروری

---

[۱] احیاء علوم الدین ج ۲ ص ۲۷۵ [۲] احکام القرآن ج ۲ ص ۴۰

اذ لا فائدة فی وعظه فالفسق
يؤثر فی اسقاط فائدة كلامه
ثم اذا سقطت فائدة كلامه
سقط وجوب الكلام[1]

نہیں اس لیے کہ اس کے وعظ و نصیحت کا کوئی فائدہ نہیں ہے کیونکہ اس کا فسق اس کے کلام کے فائدے کو ساقط کرنے میں مؤثر ہو رہا ہے۔ جب اس کے کلام کا کوئی فائدہ ہی نہیں رہا تو کلام کا وجوب بھی ساقط ہو گیا۔

یہ بات صرف زبانی نصیحت کے سلسلے میں ہے لیکن امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی ایک شکل اور بھی ہے وہ یہ کہ آدمی قوت و طاقت کے ذریعہ معروف کو قائم کرے اور منکر کو مٹائے۔ اس کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ آدمی نیک اور متقی ہی ہو۔ اگر کسی خطاکار اور فاسق کو قوت حاصل ہے، تو اسے اپنی قوت کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔ امام غزالی فرماتے ہیں:۔

اما الحسبة القهرية فلا يشترط
فيها ذالك فلا حرج على الفاسق
فی اراقة الخمور وكسر الملاهی
وغيرها اذا قدر[2]

طاقت کے ذریعہ احتساب تو اس میں یہ (تقوی اور نیکی) شرط نہیں ہے۔ فاسق کے لیے اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ شراب کو بہا دے اور آلات لہو کو توڑ دے اگر وہ اس پر قادر ہو۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے لیے جن لوگوں نے نیکی اور تقوے کو شرط قرار دی ہے، جیسا کہ گزر چکا انھوں نے قرآن کی دو آیتوں سے بھی استدلال کیا ہے۔ امام غزالیؒ ان کے بارے میں فرماتے ہیں:۔

اما الآيات التی استدلوا
بها انهوا انكار عليهم من
حيث تركهم المعروف
لا من حيث امرهم ولكن
امرهم دل على قوة علمهم
وعقاب العالم اشد لانه
لا عذر له مع قوة
علمه[3]

جن آیات سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے ان میں بے عمل انسانوں پر اس پہلو سے تنقید ہے کہ انھوں نے معروف پر عمل کو ترک کر دیا۔ اس پہلو سے نہیں کہ انھوں نے امر بالمعروف کا فرض انجام دیا۔ ان کا معروف کا حکم دینا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان کو علم کی قوت حاصل ہے۔ لیکن اس کے باوجود جب انھوں نے عمل نہیں کیا تو ظاہر ہے کہ عالم کے لیے عذاب زیادہ سخت ہے کیونکہ قوت علم کی وجہ سے اس کے پاس کوئی عذر نہیں رہا۔

[1] احیاء علوم الدین ج ۲ ص ۲۷۶　[2] ایضاً　[3] ایضاً

اس سلسلے میں حضرت سعید بن جبیرؓ نے بہت ہی حقیقت پسندانہ اور فطری بات کہی ہے۔ فرماتے ہیں:۔

لو کان المرء لا یأمر	اگر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے لیے یہ شرط ہو
بالمعروف ولا ینھیٰ عن المنکر	کہ انسان کے اندر کوئی عیب نہ ہو تو کوئی بھی شخص
حتی لا یکون فیہ شیئ ما امر احد	نہ معروف کا حکم دے سکتا ہو اور نہ منکر سے منع
بمعروف ولا نہی عن منکر	کرسکتا ہے

امام مالک نے یہ بات سنی تو فرمایا:۔

صدق من ذا الذی لیس	(سعید بن جبیرؓ نے) سچ کہا کون ایسا شخص
فیہ شیئ [1]	ہے جس کے اندر کوئی نقص نہ ہو۔

یہ تو اس مسئلہ کا قانونی پہلو ہے لیکن جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ آدمی کے قول و عمل میں مطابقت ہونی چاہیے اس کی اہمیت سے کسی کو انکار نہیں ہے۔ علامہ حافظ ابن کثیر کہتے ہیں:۔

ذھب بعضھم الی ان مرتکب	بعض لوگ اس طرف گئے ہیں کہ معاصی کا
المعاصی لا ینھی غیرہ وھذا	ارتکاب کرنے والا دوسروں کو منع نہیں کرسکتا لیکن
ضعیف...... والصحیح ان	یہ رائے کمزور ہے...... صحیح بات یہ ہے کہ
العالم یامر بالمعروف وان لم یفعلہ	علم رکھنے والا معروف کا حکم بھی دے گا اگرچہ وہ اس
وینھی عن المنکر وان ارتکبہ	پر عمل نہ کرے اور منکر سے منع بھی کرے گا اگرچہ اس کا
.... لکنہ والحالۃ ھذہ	ارتکاب کرے...... لیکن وہ جب کہ اس کی
مذموم علی ترکہ الطاعۃ	یہ حالت ہے یقیناً قابل مذمت ہے کیونکہ اس
وفعلہ المعصیۃ لعلمہ بھا	نے جانتے بوجھتے اطاعت نہیں کی اور معصیت کا ارتکاب
ومخالفتہ علی بصیرۃ فانہ	کیا اور بصیرت کے باوجود مخالفت کا مظاہرہ کیا
لیس من یعلم کمن لا	کیا۔ ظاہر ہے جو شخص جانتا ہے وہ اس کی مانند
یعلم [2]	نہیں ہے جو نہیں جانتا۔

دوسروں کو دین کی تبلیغ کرنا اور اپنے عمل سے اس کی مخالفت کرنا دین کے ساتھ کھلا ہوا مذاق ہے۔ اس

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۸۵ [2] ایضاً

سے دین کا وقار مجروح ہوتا ہے اور اس کی عظمت کو صدمہ پہنچتا ہے۔ بے عملی نہ صرف ایمان کی کمزوری کی دلیل ہے بلکہ اس سے خود کہنے والے کی بات کا بھی کوئی وزن باقی نہیں رہتا۔ قرآن کا مطالبہ یہ ہے کہ جو کچھ تم کہتے ہو اس پر عمل بھی کرو۔ نفاق کی روش نہ اختیار کرو کہ باتیں تو تمہاری فرشتوں کی طرح معصومانہ ہوں اور کردار ایسا ہو کہ شیطان بھی پناہ مانگے۔ حضرت شعیبؑ خدا کے پیغمبر تھے اور خدا کا دین انسانوں تک پہنچا رہے تھے لیکن اس کی اہمیت کا اظہار اس طرح کرتے ہیں کہ جن معاصی سے میں تمہیں باز رہنے کی تبلیغ کرتا ہوں خود ان سے آلودہ نہیں ہوں کہ تم میری باتوں کو واعظ بے عمل کی نصیحت سمجھ کر نظر انداز کر دو۔

وَمَا أُرِيدُ أَنْ أُخَالِفَكُمْ إِلَىٰ مَا أَنْهَاكُمْ عَنْهُ ۚ إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ

اور میں یہ نہیں چاہتا کہ جن باتوں سے میں تم کو منع کر رہا ہوں خود ان کی مخالفت کروں۔ میں تو اپنی طاقت کی حد تک صرف اصلاح چاہتا ہوں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم واعظ بے عمل کے بارے میں فرماتے ہیں کہ قیامت کے روز اسے جہنم میں پھینک دیا جائے گا اور وہ اسی میں گھوم رہا ہوگا۔ اسے دیکھ کر جہنم کے دوسرے لوگ پوچھیں گے۔

أَلَسْتَ كُنْتَ تَأْمُرُ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَىٰ عَنِ الْمُنْكَرِ

کیا تو معروف کا حکم نہیں دیتا تھا اور منکر سے منع نہیں کرتا تھا؟ (تو پھر تو یہاں کیسے نظر آ رہا ہے؟)

وہ جواب دے گا۔

إِنِّي كُنْتُ آمُرُ بِالْمَعْرُوفِ وَلَا أَفْعَلُهُ وَأَنْهَىٰ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأَفْعَلُهُ[1]

ہاں بلاشبہ میں معروف کا حکم دیتا تھا لیکن اس پر عمل نہیں کرتا تھا اور منکر سے منع کرتا تھا اور خود اس کا ارتکاب کرتا تھا۔

چوتھی شرط بعض لوگوں نے کہا ہے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر عام لوگوں کے کرنے کا کام نہیں ہے اسے حاکم وقت انجام دے سکتا ہے یا وہ شخص جسے حاکم کی اجازت حاصل ہو۔

اس میں شک نہیں کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی نوعیت ایسی ہے کہ بعض اوقات اس میں طاقت کے استعمال کی بھی ضرورت پڑتی ہے لیکن اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ یہ عام لوگوں کے کرنے کا کام نہیں ہے اور اسے اسی وقت بجا لایا جا سکتا ہے جب کہ آدمی کے پاس اقتدار و حکومت ہو۔ کیونکہ یہ ان واضح احادیث کے خلاف ہے

[1] بخاری کتاب الفتن باب الفتنۃ التی تموج کموج البحر

جن میں ظالم حاکموں اور جابر فرماں رواؤں کے خلاف حق و انصاف کے اظہار کی تعریف کی گئی ہے۔ ہم یہاں دو حدیثیں نقل کرتے ہیں:۔

أَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ عَدْلٍ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ[1]

سب سے زیادہ فضیلت والا جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے انصاف کا کلمہ کہنا ہے۔

سید الشہداء حمزة بن عبد المطلب ورجل قام الی امام جائر فامره ونهاه فقتله[2]

شہیدوں کے سردار حمزہ بن عبد المطلب ہیں اور وہ شخص جو کسی ظالم امام کے سامنے کھڑا ہوا اور اسے (نیکی کا) حکم دے اور (برائی) سے منع کرے (اور اس کے نتیجے میں) حاکم اس کو قتل کر دے

امام نوویؒ فرماتے ہیں:۔

قال العلماء ولا يختص الامر بالمعروف والنهي عن المنكر باصحاب الولايات بل ذالك ثابت لآحاد المسلمين قال امام الحرمين والدليل عليه اجماع المسلمين فان غير الولاة في الصدر الاول والعصر الذي يليه كانوا يامرون الولاة بالمعروف وينهونهم عن المنكر مع تقرير المسلمين اياهم وترك توبيخهم على التشاغل بالامر بالمعروف والنهي عن المنكر من غير ولاية[3]

علماء نے کہا ہے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر حکام کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ یہ حکم مسلمانوں کے عام افراد کے لیے بھی ثابت ہے۔ امام الحرمین فرماتے ہیں کہ اس کی دلیل مسلمانوں کا اجماع ہے، کیونکہ دورِ اول اور اس سے قریب کے زمانے میں وہ لوگ جو صاحبِ اقتدار نہیں تھے حاکموں کو معروف کا حکم دیتے اور منکر سے منع کرتے تھے۔ ان کے اس عمل پر عام مسلمان خاموش رہے اور کسی نے اس بات پر انہیں سخت سست نہیں کہا کہ وہ بغیر حکومت کے حاکموں کو معروف کا حکم دیتے اور منکر سے منع کرتے ہیں۔

قرآن نے سورۂ حج میں اہلِ ایمان کی یہ صفت بیان کی ہے کہ "اگر ان کو زمین میں اقتدار عطا کیا جائے تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، معروف کا حکم دیں گے اور منکر سے منع کریں گے"۔ یہ واضح دلیل ہے اس

[1] ابوداؤد: کتاب الملاحم، باب الامر والنہی۔ [2] رواہ الترمذی والحاکم وقال صحیح الاسناد (الترغیب والترہیب جلد [illegible] صفحہ [illegible])

[3] شرح مسلم جلد ۱ صفحہ ۵۱

کی کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر مسلمان حاکموں کا مخصوص وصف نہیں ہے بلکہ یہ ہر مسلمان کا فرض ہے جس کے ادا کرنے سے کوئی بھی شخص اسے باز نہیں رکھ سکتا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سورۂ حج کی اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں :۔

الا انہا لیست علی الوالی وحدہ
ولکنہا علی الوالی والمولی علیہ[1]

سن لو! یہ صرف حاکم ہی کے لیے نہیں ہے بلکہ یہ حاکم اور محکوم دونوں کے لیے ہے۔

اب آئیے اس پہلو سے غور کریں کہ کیا امر بالمعروف ونہی عن المنکر حاکم وقت کی اجازت ہی سے انجام دیا جا سکتا ہے یا اس کے لیے اس کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے؟

جو لوگ یہ شرط لگاتے ہیں ان کے پیش نظر دراصل اس کام کو منظم کرنا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر ہر شخص کو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی اجازت دے دی جائے تو اس میں کوئی ترتیب وتنظیم باقی نہیں رہ سکتی۔ بلکہ بسا اوقات بگاڑ کا بھی اندیشہ ہے۔ امام غزالی اس شرط کے مخالف ہیں لیکن وہ فرماتے ہیں کہ اس شرط کے حق میں یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ :۔

ربما ینتدب لہا من لیس اہلہ لہا لقصور معرفتہ او قصور دیانتہ فیؤدی ذالک الی وجوہ من الخلل[2]

بسا اوقات احتساب کا فرض ایسا شخص بھی انجام دینے لگتا ہے جو اپنے علم اور دیانت وتقویٰ کی کمی کی وجہ سے اس کا اہل نہیں ہوتا، اور یہ چیز بہت سی خرابیوں کا سبب بن جاتی ہے۔

علامہ عبدالقادر عودہ شہید کہتے ہیں :۔

والذین یشترطون اذن الامام یقصدون من ہذا الشرط تنظیم الامر بالمعروف والنہی عن المنکر[3]

جو لوگ اس کام کے لیے امام کی اجازت کی شرط لگاتے ہیں وہ اس شرط کے ذریعہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو منظم کرنا چاہتے ہیں۔

قرآن وحدیث میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر سے متعلق جو ہدایات ہیں وہ بالکل عام ہیں اس لیے علماء نے اس شرط کو غیر ضروری قرار دیا ہے اور اس سے اتفاق نہیں کیا ہے۔ امام غزالی فرماتے ہیں :۔

ہذا الاشتراط فاسد فان الآیات والاخبار التی اوردناہا

یہ شرط فاسد ہے کیونکہ (اس باب میں) جو آیات احادیث ہم نے نقل کی ہیں وہ بالکل عام انداز میں

۱؎ تفسیر ابن کثیر ج ۳ صفحہ ۲۲۶ ۲؎ احیاء علوم الدین ج ۲ صفحہ ۲۸۱ ۳؎ التشریع الجنائی صفحہ ۵۰۱

تدل علی ان کل من رای منکرا فسکت علیہ عصی اذ یجب نہیہ اینما راٰہ وکیفما راٰہ علی العموم فالتخصیص بشرط التفویض من الامام تحکم لا اصل لہ[1]

اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ جو شخص کسی منکر کو دیکھے اور خاموش ہو جائے تو اس نے خدا کی نافرمانی کی۔ کیونکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ جہاں کہیں اور جس حالت میں بھی منکر کو دیکھے روک دے۔ پس اس حکم عام میں اس شرط کے ذریعہ تخصیص پیدا کرنا کہ نہی عن المنکر اسی وقت ضروری ہے جب کہ یہ ذمہ داری امام کی طرف سے سونپی جائے، بے دلیل بات ہے جس کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔

ہم نے ابھی وہ احادیث نقل کی ہیں جن میں حکام کے جور و ظلم کے خلاف آواز اٹھانے کی تعریف کی گئی ہے۔ امام غزالیؒ ان احادیث کا حوالہ دے کر فرماتے ہیں:۔

فاذا جاز الحکم علی الامام علی مراغمتہ فکیف یحتاج الی اذن الامام[2]

جب خود امام کے علی الرغم اس پر حق کا اظہار جائز ہے تو وہ امام کی اجازت کا کیسے محتاج ہوگا۔

اسی سلسلے میں مزید فرماتے ہیں:۔

استمرار عادات السلف علی الحسبۃ علی الولاۃ قاطع باجماعہم علی الاستغناء عن التفویض بل کل من امر بمعروف فان کان الوالی راضیا بہ فذاک وان کان ساخطا لہ فسخطہ لہ منکر یجب الانکار علیہ فکیف یحتاج الی اذنہ[3]

سلف کا یہ مسلسل رویہ کہ وہ حکام کے خلاف احتساب کرتے رہے ہیں اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ اس کام پر حکام کی طرف سے مامور کیے جانے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ جو بھی شخص معروف کا حکم دے اگر حاکم اس سے خوش ہے تو ٹھیک ہے اور اگر وہ اس سے ناخوش ہے تو معروف پر اس کا ناخوش ہونا خود ایک منکر ہے جس پر تنقید ضروری ہے تو پھر یہ کام اس کی اجازت کا کیسے محتاج ہوگا۔

حقیقت یہ ہے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر نہ صرف مسلمان حاکموں کے کرنے کا کام ہے اور نہ اس کے لیے ان کی اجازت کی ضرورت ہے بلکہ یہ ہر مسلمان کا فرض ہے۔ جب بھی وہ امر فرض کو (باقی صفحہ ۳۶ پر ملاحظہ ہو)

۱؎ احیاء علوم الدین ج ۲ ص ۲۷۶-۲۷۷ ۲؎ ایضاً ص ۲۷۷ ۳؎ ایضاً ص ۲۷۷

بیان کردوں اور ضمناً و ثانیاً ان پر تقابلی ترجیح کے داخلی اشارات پر بس کروں۔ مگر ملاؤں کی متذکرہ ہٹ دھرمی کا ذکر چھڑ جانے کی وجہ سے ۔ ملا ہونے کے ناتے ۔ دس بیس سطروں کی بے ربطی کی معذرت کرتے ہوئے تناسخ کی بلند آہنگی کو مزید زحمت انتظار نہ دینے کی خاطر یہ ضروری ہوگیا ہے کہ کہا جائے کہ تناسخ و الحاد لازم و ملزوم ہیں بلکہ بوجوہ ذیل تناسخ ہمارے موجودہ الحاد سے بدرجہا غیر معقول ہے۔ یہاں فقط اشارات دیے جارہے ہیں۔ مبحث "تناسخ کے ما لہ و ما علیہ" میں شواہد و نظائر آگے آرہے ہیں۔ (باقی)

(بقیہ صفحہ ۳۱) کو انجام دینے کی حیثیت میں ہو اسے انجام دینا چاہیے اور وہ انجام دے گا۔ علامہ سعدالدین تفتازانی لکھتے ہیں:-

کان المسلمون فی الصدر	دور اول اور اس کے بعد (بھی) مسلمان
الاول و بعدہ یأمرون الولاۃ بالمعروف	حکام کو معروف کا حکم دیتے اور منکر سے منع کرتے تھے،
وینھونھم عن المنکر من غیر نکیر من	نہ تو اس پر کسی نے نکیر کی اور نہ اسے حکام کی اجازت
احد ولا توقیف علی اذن فعلم انہ	پر موقوف گردانا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ حکام کے ساتھ
لا یختص بالولاۃ بل یجوز لاحاد	مخصوص نہیں ہے بلکہ عام رعایا کو بھی اجازت ہے
الرعیۃ بالقول والفعل[1]	کہ وہ قول و فعل سے اس کو انجام دیں۔

[1] شرح المقاصد ج ۲ صفحہ ۱

شرائطِ ایجنسی

۱- ایجنسی کم سے کم ۵ پرچوں پر دی جائے گی۔

۲- -/5 ایڈوانس جمع کرنے ہوں گے۔

۳- ۵ سے ۵۰ پرچوں تک 25% کمیشن دیا جائے گا۔ البتہ ۵۰ سے زائد رسالوں پر کمیشن 33% دیا جائے گا۔

۴- رسائل کی روانگی کا خرچ دفتر برداشت کریگا۔ رجسٹری اور وی پی (V P) کا خرچ ایجنٹ صاحبان کے ذمے ہوگا۔

۵- ہر ماہ کا بل باقاعدگی سے ادا کرنا چاہیے۔

منیجر رسالہ زندگی رامپور - یوپی

ماہنامہ
زندگی
رامپور
جلد :- ۳۴
شمارہ :- ۱
شعبان و رمضان ۸۴ھ
جنوری ۱۹۶۵ء
(مدیر :- سید احمد قادری)